ہاں کر بھلا، ترا بھلا ہو گا
اور درویش کی صدا کیا ہے؟

ہمیں یاد آیا..... کہ ادھر انگلستان سے بھی ان دنوں یہ خبر آئی ہے کہ فرنگی خانقاہ کے درویش اور مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے مرزا طاہر احمد نے اپنے دادا جان کے مربیّوں کی گود میں لیٹ کر ایک بیان داغا ہے کہ "میری مت ماری گئی ہے کہ جہاں سے اللہ نے نکالا ہے وہاں پھر جاؤں"؟...... مسٹر! ہم تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ تم نے اقرار کیا کہ تمہیں اللہ نے نکالا ہے، ورنہ مرزائی تو آج تک یہی دہائی دیتے ہیں اور حقوق انسانی کے ٹھیکیدار یہودیوں اور عیسائیوں کے دربز یہی راگ الاپتے ہیں کہ پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ بڑا ظلم ہو رہا ہے جسکی زندہ گواہی مرزا صاحب کا پاکستان سے نکل جانا ہے۔ اب مرزا طاہر کا بیان اس کے برعکس ہے کہ وہ تسلیم کر رہے ہیں کہ ان کو ضیاء الحق نے نہیں بلکہ حق نے نکالا ہے اور حق جس کو نکالے اس کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا! طاہر احمد نے یہ بھی کہا کہ ان کا مذہب بڑی تیزی سے پھیل رہا ہے گویا انہوں نے اقرار کر لیا ہے کہ ان کا مذہب اسلام نہیں کچھ اور ہے جو پھیل رہا ہے۔ قیامت کے قرب میں بہت سے فتنوں کے پیدا ہونے اور پھیلنے کا ذکر ملتا ہے اور فتنۂ مسیحیت کے مدعیوں کے پھیلاؤ، گھیراؤ اور جلاؤ کا تو بہت ذکر ہے جس کا اقرار مرزا طاہر نے خود کیا ہے۔ میں پوچھتا ہوں اگر یہی "پھیلاؤ" حق کی علامت اور حق کے لئے دلیل ہے تو پھر عیسائیت اور یہودیت کے سیلاب کے متعلق مرزا صاحب کا کیا خیال ہے؟ مرزا صاحب کو تو پناہ بھی عیسائیوں کی نرم و گداز گود میں ملی! اور کیوں نہ ملے کہ یہ انکی پہلی "حرامگاہ" ہے۔ مرزا طاہر کے دادا مرزا غلام احمد نے لکھا ہے کہ اسکی بعثت کی غرض ہی یہ ہے کہ..... ملکہ معظمہ (وکٹوریہ) کی سچی اطاعت کا طریق سمجھائے۔ ("تحفۂ قیصریہ"..... ملکہ وکٹوریہ کے نام خط، ضیاء الاسلام پریس قادیان ۱۸۹۷ء)

جو آرام آپ کو اور آپ کی ذریّتہ البغایا کو کافرستان (برطانیہ) میں مل سکتا ہے وہ پاکستان میں کہاں؟ جو مقام آپ کو کافرستان میں ملا ہے وہ یہاں کیسے ملے گا؟ پاکستان کا تو ذرہ ذرہ آپ کو مرتد اور جہنمی جانتا ہے، اسمبلی فیصلہ کرتی یا نہ کرتی۔ ایسے فیصلے تو یوں بھی دیر طلب نہیں ہوا کرتے........... کہ بقول سیف الدین سیف

حق و باطل میں فیصلہ کرنا
ایک لمحے کا کھیل ہوتا ہے

مقالہ خصوصی
قسط دوم

حکیم محمود احمد ظفر

جمہوریت ایک فتنہ اور فراڈ

مقصود ما ز دیر و حرم جز حبیب نیست
ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

حاکمیت جمہور کے فلسفہ کی اصل اساس یہ ہے کہ عوام کی مرضی ہی اصل حاکم ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عوام کی مرضی کو کس طرح معلوم کیا جائے۔ ہر فرد کی رائے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اتنی متضاد آراء میں سے ایک ایسی رائے (جس کو روسو نے General will کا نام دیا) کا تلاش کرنا جو سب کے لئے قابل قبول ہو، نہایت مشکل بلکہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ رائے عامہ سے مراد سارے عوام کی رائے نہیں بلکہ ملک کی اکثریت کی رائے ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اکثریت کی رائے کا اندازہ کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔ ایک شخص کے لئے جو معاشرہ میں رہتا ہے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ بغیر دباؤ کے اپنی اصل رائے کا اظہار کر سکے۔ جب وہ اپنی اصل رائے کا اظہار ہی نہیں کر سکتا تو جمہور کی حاکمیت کیسی؟ معلوم ہوا کہ حاکمیت جمہور کفر ہونے کے ساتھ غیر معقول بھی ہے۔

سید مودودی نے اس بارہ میں قیام پاکستان سے قبل بہت کچھ لکھا اور جمہوریت کے کافرانہ نظام ہونے کو واضح کیا۔ چنانچہ ایک مقام پر مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

ایک حقیقی مسلمان ہونے کی حیثیت سے جب میں دنیا پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے اس امر پر اظہار مسرت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ترکی پر ترک، ایران پر ایرانی اور افغانستان پر افغانی حکمران ہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہیں "حکم الناس علی الناس للناس" کے نظریہ کا قائل نہیں ہوں۔ اور اس اعتبار سے میرے نزدیک انگلستان پر انگریزوں کی حاکمیت اور فرانس پر اہل فرانس کی حاکمیت جس قدر غلط ہے اسی قدر ترکی اور دوسرے ملکوں پر ان کے اپنے باشندوں کی حاکمیت بھی غلط ہے اسی قدر ترکی اور دوسرے ملکوں پر ان کے اپنے باشندوں کی حاکمیت بھی غلط ہے بلکہ اس سے زیادہ غلط۔ اس لئے کہ جو قومیں اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں ان کا خدا کی حاکمیت کے بجائے انسانوں کی حاکمیت اختیار کرنا اور بھی زیادہ افسوس ناک ہے۔ غیر مسلم اگر ضالین کے حکم میں ہیں تو یہ مغضوب علیہم کی تعریف میں آتے ہیں۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش جلد ۳ ص ۱۲۵)

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۷ پر مولانا لکھتے ہیں:۔

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کرایا جائے۔ انگریز کی حاکمیت سے نکلنا تو صرف لا الٰہ کا ہم معنی ہو گا۔ فیصلہ کا

انحصار محض اس نفی پر نہیں۔ اس پر ہے کہ اس کے بعد اثبات کس چیز کا ہوگا؟ اگر آزادی کی یہ ساری لڑائی صرف اس لئے ہے اور مجاہدین حریت میں سے کون صاحب یہ جھوٹ بولنے کی ہمت رکھتے ہیں کہ اس لئے نہیں ہے کہ امپریلزم کے الہ کو ہٹا کر ڈیموکریسی کے الٰہ کو بت خانہ حکومت میں جلوہ افروز کیا جائے، تو مسلمان کے نزدیک درحقیقت اس سے کوئی بھی فرق نہیں ہوتا ہے لات گیا منات آگیا۔ ایک جھوٹے خدا نے دوسرے جھوٹے خدا کی جگہ لے لی۔ باطل کی بندگی جیسی تھی ویسی ہی رہی۔ کون مسلمان اس کو آزادی کے لفظ سے تعبیر کرسکتا ہے۔

ان الله لایمحو السئی بالسئیٌ ولکن یمحو السئی بالحسن، ان الخبیث لایمحو الخبیث"

اس عبارت میں سید مودودی صاحب نے امپریلزم اور ڈیموکریسی کو لات و منات سے تشبیہ دی ہے کیونکہ ان دونوں میں حاکمیت غیر خدا کی ہوتی ہے اور غیر اللہ کی حاکمیت کو آپ خواہ کتنا ہی شاندار نام کیوں نہ دے دیں وہ کفر ہی رہے گا اسلام نہیں بن سکتا ہے۔ اسلام صرف خدا کی حاکمیت کا قائل ہے ایک اور مقام پر سید مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

"اس موقع پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلم لیگ کے کسی ریزولیشن اور لیگ کے ذمہ دار لیڈروں میں سے کسی کی تقریر میں یہ بات واضح نہیں کی گئی کہ ان کا آخری مطمع نظر پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم کرنا ہے۔ برعکس اس کے ان کی طرف سے بصراحت اور بتکرار جس شی کا اظہار کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے پیش نظر ایک ایسی جمہوری حکومت ہے جس میں دوسری غیر مسلم قومیں بھی حصہ دار ہوں، مگر اکثریت کے حق کی بنا پر مسلمانوں کا حصہ غالب ہو۔ (سیاسی کشمکش جلد ۳ ص ۱۷۳)

کتنے واضح لفظوں میں سید مودودی صاحب نے اس جمہوریت کی جس کا پرچار آج پاکستان کی ہر پارٹی بلکہ خود ان کی اپنی پارٹی بھی کر رہی ہے، مخالفت اور تردید کی ہے۔ ایک اور مقام پر سید مودودی لکھتے ہیں:

دعوت کے باب میں اسلام کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی حاکمیت اور اقتدار اعلیٰ تسلیم کرنے کی طرف بلایا جائے، مگر یہ تقسیم سے قبل جمہوریت چاہنے والے ہندوستان کے باشندوں کو اس طرف بلاتے ہیں کہ تم خود مالک الملک بنو۔ یہ غیر الٰہی اقتدار اعلیٰ کی نفی نہیں کرتے بلکہ صرف انگریزی اقتدار اعلیٰ کی نفی کرتے ہیں۔ یہ الٰہی اقتدار اعلیٰ کا اثبات بھی نہیں کرتے بلکہ اس کی جگہ باشندگان ملک کی خود اقتدار اور جمہوری اقتدار اعلیٰ کا اثبات کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شریک ہونے کی حیثیت سے انگریزی اقتدار اعلیٰ اور جمہوری اقتدار اعلیٰ میں کوئی فرق نہیں، لہذا ان لوگوں کی دعوت سراسر غیر اسلامی بلکہ مخالف اسلام دعوت ہے۔" (سیاسی کشمکش جلد ۳ ص ۱۶۲)

اپنی ایک دوسری کتاب میں سید مودودی صاحب نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

"ایک شخص بیک نظر ان خصوصیات کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی ریاست مغربی طرز کی لادینی

جمہوریت (Secular Democracy) نہیں، اس لئے کہ جمہوریت تو فلسفیانہ نقطہ نظر سے، نام ہی اس طرز حکومت کا ہے جس میں ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت اعلی حاصل ہو۔ انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر و تبدل ہو۔ جس قانون کو وہ چاہیں نافذ ہو اور جسے وہ نہ چاہیں وہ کتاب آئین میں سے محو کر دیا جائے۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے۔ یہاں ایک بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالی اپنے رسول کے ذریعہ سے دیتا ہے جس کی اطاعت ریاست اور قوم کو کرنی پڑتی ہے لہذا اس معنی میں اسے جمہوریت نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے لئے زیادہ صحیح نام الہی حکومت ہے جس کو انگریزی میں تھیا کریسی (Theocracy) کہتے ہیں۔ (اسلام کا نظریہ سیاسی ص ۲۴)

پھر اسی کتاب میں ایک اور جگہ پر امریکہ کی مثال دے کر لکھتے ہیں:

"یہ مغرب کی نام نہاد ڈیموکریسی جس کے متعلق یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ اس میں عمومی حاکمیت (Soveregrty) ہوتی ہے۔ اس کا ذرا تجزیہ کر کے دیکھئیے۔ جن لوگوں سے مل کر کوئی اسٹیٹ بنتا ہے وہ سب کے سب نہ تو خود قانون بناتے ہیں اور نہ خود اس کو نافذ کرتے ہیں۔ انھیں اپنی حاکمیت چند مخصوص لوگوں کے سپرد کرنی پڑتی ہے تاکہ ان کی طرف سے وہ قانون بنائیں اور اسے نافذ کریں۔ اسی غرض سے انتخاب کا ایک نظام مقرر کیا جاتا ہے، لیکن اس انتخاب میں زیادہ تر وہ لوگ کامیاب ہوتے ہیں جو عوام کو اپنی دولت، اپنے علم، اپنی چالاکی اور اپنے جھوٹے پروپیگنڈے کے زور سے بے وقوف بنا سکتے ہیں۔ پھر یہ خود عوام کے ووٹ ہی سے ان کے الہ بن جاتے ہیں۔ عوام کے فائدے کے لئے نہیں بلکہ اپنے شخصی اور طبقاتی فائدے کے لئے قوانین بناتے ہیں۔ اور اسی طاقت سے جو عوام نے ان کو دی ہے ان قوانین کو عوام پر نافذ کرتے ہیں۔ یہی مصیبت امریکہ میں ہے، یہی انگلستان میں ہے اور یہی ان سب ممالک میں ہے جن کو جمہوریت کی جنت ہونے کا دعوی ہے۔

"پھر اس پہلو کو نظر انداز کر کے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وہاں عام لوگوں کی مرضی سے قانون بنتے ہیں، تب بھی تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ عام لوگ خود بھی اپنے مفاد کو نہیں سمجھتے۔ انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ یہ اپنی زندگی کے اکثر معاملات میں حقیقت کے بعض پہلوؤں کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا۔ اس کا فیصلہ (Judgment) عموماً یک طرفہ ہوتا ہے۔ اس پر جذبات اور خواہشات کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ خالص عقلی اور عملی حیثیت سے بے لاگ رائے بہت کم قائم کر سکتا ہے بلکہ بسا اوقات عقلی اور عملی حیثیت سے جو بات اس پر روشن ہو جاتی ہے اس کو بھی یہ جذبات و خواہشات کے مقابلہ میں رد کر دیتا ہے۔ اس کے ثبوت میں بہت سی مثالیں میرے سامنے ہیں۔ (اسلام کا نظریہ سیاسی ص ۲۷)

پھر مودودی صاحب امریکہ میں شراب نوشی کے قانون حرمت اور پھر اس کے بعد حلت میں تبدیلی کی مثال دے کر لکھتے ہیں۔

"اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ علمی اور عقلی حیثیت سے اب شراب کا استعمال مفید ثابت ہو گیا تھا بلکہ صرف یہ وجہ تھی کہ عوام اپنی جاہلانہ خواہشات کے بندے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی حاکمیت اپنے نفس کے

شیطان کی طرف منتقل کر دی تھی۔ اپنی خواہش کو اپنا الٰہ بنا لیا تھا اور اس الٰہ کی بندگی میں وہ اس قانون کو بدلنے پر مصر تھے جسے انہوں نے خود ہی علمی اور عقلی حیثیت سے صحیح تسلیم کر کے پاس کیا تھا۔ اس قسم کے اور بہت سے تجربات ہیں جن سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ انسان خود اپنا واضع قانون (Legislator) بنانے کی پوری اہلیت نہیں رکھتا۔" (اسلام کا نظریہ سیاسی ص ۲۷...۲۹)

حاکمیت کے اس مسئلہ کو مودودی صاحب نے اپنی ایک اور کتاب اسلامی دستور کی تدوین صفحہ ۱۵۔۲۲ میں بھی تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"حاکمیت صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ہے، لہذا ہر وہ نظام جس میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی ہو وہ اسلامی نظام نہیں بلکہ کفر کا نظام ہے۔"

اسلامی نظام اور دنیا کے دوسرے نظاموں میں سب سے بڑا بنیادی فرق یہی ہے کہ اسلام میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور دوسرے طاغوتی اور کفریہ نظاموں میں مثلاً اشتراکیت، ڈکٹیٹر شپ، امپریلزم اور جمہوریت وغیرہ میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی ہوتی ہے۔ چنانچہ

"دنیا میں جہاں جو خرابی پائی جاتی ہے اس کی جڑ صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت تسلیم کرنا۔ یہی اُمّ الخبائث ہے۔ یہی اصل بس کی گانٹھ ہے۔ اسی سے وہ شجر خبیث پیدا ہوتا ہے۔ جس کی شاخیں پھیل کر انسانوں پر مصیبتوں کے زہریلے پھل ٹپکاتی ہیں۔ یہ جڑ جب تک باقی ہے آپ شاخوں کو جتنی چاہیں قطع و برید کر لیں۔ بجز اس کے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا کہ ایک طرف سے مصائب کا نزول بند ہو جائے اور دوسری طرف سے شروع ہو جائے......

"اللہ کی حاکمیت سے منہ موڑنے والے زیادہ سے زیادہ بہتر نصب العین جو پیش کر سکتے ہیں وہ بیش ازیں نیست کہ دنیا میں مکمل جمہوریت ہو جائے، یعنی لوگ اپنی بھلائی کے لئے اپنے آپ حاکم ہوں، لیکن قطع نظر اس سے کہ یہ حالت واقعی دنیا میں رونما ہو سکتی ہے یا نہیں؟ غور طلب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت اگر رونما ہو جائے تو کیا اس فرضی جنت میں انسان خود اپنے نفس کے شیطان یعنی جاہل اور نادان خدا کی بندگی سے بھی آزاد ہو جائے گا جس کے پاس خدائی کرنے کے لئے علم، حکمت، عدل اور دوستی کچھ بھی نہیں، صرف خواہشات ہیں اور وہ بھی اندھی جابرانہ خواہشات۔"

"اس نقصان کو دور کرنے اور انسانی زندگی کو حقیقی فلاح و سعادت سے ہم کنار کرنے کی کوئی دوسری صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ غیر اللہ کی حاکمیت سے کلیتہً انکار کیا جائے اور حاکمیت (Sovereignty) اس کی تسلیم کی جائے جو فی الواقع مالک الملک ہے، اور ہر اس نظام کو رد کر دیا جائے جو انسانی اقتدار اعلیٰ کے باطل نظریہ پر قائم ہو اور صرف اس نظام حکومت کو قبول کیا جائے جس میں اقتدار اعلیٰ اسی کا رہے جو فی الحقیقت مقتدر اعلیٰ ہے۔ ہر اس حکومت کے حق حکمرانی کو ماننے سے انکار کر دیا جائے جس میں انسان بذات خود حاکم اور صاحب امر و نہی ہونے کا مدعی ہو۔ اور صرف اس حکومت کو جائز قرار دیا

جائے جس میں انسان اصلی اور حقیقی حاکم کے تحت خلیفہ ہونے کی حیثیت قبول کرے۔ یہ بنیادی اصلاح جب تک نہ ہو گی تب تک انسان کی حاکمیت خواہ وہ کسی شکل اور کسی نوعیت کی ہو، جڑ پیڑ سے اکھاڑ کر نہ پھینک دی جائے گی اور جب تک انسانی حاکمیت کے غیر واقعی تصور کی جگہ خلافت الٰہی کا واقعی (Realistic) تصور نہ لے لے گا اس وقت تک انسانی تمدن کی بگڑی ہوئی کل کبھی درست نہ ہو سکے گی۔ چاہے سرمایہ داری کی جگہ اشتراکیت قائم ہو جائے، یا ڈکٹیٹر شپ کی جگہ جمہوریت متمکن ہو جائے، یا امپریلزم کی جگہ قوموں کی خود اختیاری کا قاعدہ نافذ ہو جائے۔ صرف خلافت ہی کا نظریہ انسان کو امن دے سکتا ہے۔ اسی سے ظلم مٹ سکتا ہے اور عدل قائم ہو سکتا ہے اسی کو اختیار کر کے انسان اپنا قوتوں کا صحیح مصرف اور اپنی سعی وجہد کا رخ پا سکتا ہے۔ (سیاسی کشمکش جلد ۳ ص ۱۱۴-۱۱۶- ۱۱۹، ۱۲۰)

اسی کتاب میں ایک اور جگہ پر پاکستان میں نظام حکومت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے لئے اس مسئلہ میں بھی کوئی دل چسپی نہیں ہے کہ ہندوستان کے جس حصہ میں مسلمان کثیر التعداد ہیں وہاں ان کی حکومت قائم ہو جائے۔ میرے نزدیک جو سوال سب سے اقدم ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے اس پاکستان میں نظام حکومت کی اساس خدا کی حاکمیت (Sovereignty) پر رکھی جائے گی یا مغربی نظریہ جمہوریت کے مطابق عوام کی حاکمیت پر؟ اگر پہلی صورت ہے تو یقیناً یہ پاکستان ہو گا۔ ورنہ بصورت دیگر یہ ویسا ہی ناپاکستان ہو گا جیسا ملک کا وہ حصہ ہو گا جہاں آپ کی اسکیم کے مطابق غیر مسلم حکومت کریں گے، بلکہ خدا کی نگاہ میں یہ اس سے زیادہ ناپاک، اس سے زیادہ مبغوض وملعون ہو گا، کیونکہ یہاں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے وہ کام کریں گے جو غیر مسلم کرتے ہیں۔" (سیاسی کشمکش جلد ۳ ص ۱۲۵، ۱۲۶)

اپنی ایک اور کتاب میں عوام کی حاکمیت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے عقیدہ توحید کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے۔ اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے تحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز ہو کر۔ یہ ایک اصولی معاملہ ہے جس کا تعلق عین ہمارے ایمان اور ہمارے اسلامی عقیدہ سے ہے۔" (رسائل ومسائل جلد ۱ ص ۴۲۴)

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ

"اصولی حیثیت سے یہ بات واضح طور پر سمجھ لیجئے کہ موجودہ زمانے میں جتنے جمہوری نظام بنے ہیں (جن کی شاخ ہندوستان کی موجودہ اسمبلیاں بھی ہیں) وہ اس مفروضے پر مبنی ہیں کہ باشندگان ملک اپنے دنیوی معاملات کے متعلق تمدن، سیاست، معیشت، اخلاق اور معاشرت کے اصول خود وضع کرنے اور ان پر تفصیلی قوانین و ضوابط بنانے کا حق رکھتے ہیں۔ اور اس قانون سازی کے لئے رائے عامہ سے بالاتر کسی سند کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نظریہ اسلام کے نظریہ کے بالکل برعکس ہے۔ اسلام میں توحید کے عقیدہ کا لازمی جزو یہ

ہے کہ لوگوں کا اور تمام دنیا کا مالک اور فرمانروا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہدایت اور حکم دنیا اس کا کام ہے۔ اور لوگوں کا کام یہ ہے کہ اس کی ہدایت اور اس کے حکم سے اپنے لئے قانونِ زندگی اخذ کریں...... اس نظریے کی رو سے قانون کا ماخذ اور تمام معاملات زندگی میں مرجع اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت قرار پائی ہے۔ اور اس نظریے سے ہٹ کر اول الذکر جمہوری نظریے کو قبول کرنا گویا عقیدہ توحید سے منحرف ہو جانا ہے۔" (رسائل ومسائل جلد ۱ ص ۴۷۳)

ان سارے اقتباسات میں جو ہم نے سید مودودی کی کتابوں سے نقل کئے ہیں، مودودی صاحب نے یہ بتایا ہے کہ جمہوری نظریہ حکومت اسلام کے سراسر منافی ہے۔ وہ ایک مشرکانہ اور کافرانہ نظام حکومت ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کی بجائے عوام کی ہوتی ہے جو کہ شرک ہے۔ اور اسلام توحید کا قائل ہے۔ شرک کی اس کے ہاں ایک ذرہ بھر بھی گنجائش نہیں۔ جمہوریت میں ملک کے اصلی مالک جمہور اور حاکمیت اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔ جس کو چاہیں حکومت دیں جس سے چاہیں اور جب چاہیں حکومت چھین لیں۔ جو چاہیں قانون بنائیں اور جس قانون کو چاہیں منسوخ کر دیں۔ عوام اور جمہور کے نمائندے احکام و قوانین منظور کر کے حکومت کے حوالے کرتے ہیں کہ یہ احکام چلاؤ اور حکومت وہی احکام اور قوانین چلاتی ہے اور ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی کیونکہ حکومت جمہور اور عوام کی ہے۔ جمہور جو چاہیں گے وہی ہو گا، اس لئے کہ حاکمیت عوام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تصور ہی درمیان سے ہٹا دیا گیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) عوامی نمائندوں کے تابع کر دیا گیا ہے۔ یہ عوامی نمائندگان اگر چاہیں تو شریعت بل کو پاس کریں نہ چاہیں تو نہ پاس کریں۔ ان کو کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ ان کے اوپر کوئی حاکم نہیں۔ کوئی انہیں سرزنش کرنے والا نہیں، کیونکہ حاکمیت ان کی ہے اور جمہوری حکومت صرف اور صرف عوام اور جمہور کے آگے جواب دہ ہوتی ہے اور انہی کی خوشی اور ناخوشی کا ہر وقت خیال رکھتی ہے۔

۲۔ جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی ایک فرع ہے۔ اس میں امیر لوگ، جاگیردار اور وڈیرے برسر اقتدار آتے ہیں، کیونکہ جمہوریت آتے ہیں، کیونکہ جمہوریت کا مقصد وحید ہے کہ اقتدار کی باگیں عوام کے منتخب نمائندوں کو جو کہ وڈیرے اور جاگیردار ہوتے ہیں، کے ہاتھ میں دے دی جائیں۔ نظری طور پر اگرچہ جمہوری ریاست کے ہر فرد کو حاکمیت کے حقوق حاصل ہیں اور کارپردازانِ حکومت ان کے ترجمان ہوتے ہیں، لیکن عملاً حکومت سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ طبقہ کی خواہشات کے مطابق ہی کی جاتی ہے۔ اور اس طرح مملکت کے باشندوں کا ایک طبقہ دوسرے طبقے کو کمیت سے یکسر محروم کر کے ان پر اپنی خواہشات مسلط کر دیتا ہے۔ پھر ان وڈیروں اور جاگیردارانہ طبقہ کی سب سے بڑی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنے اور اپنے ہم نوا لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرے اور مخالفین کو جس قدر ممکن ہو نقصان پہنچایا جائے۔ ملک کے سارے معاشی ذرائع اس مختصر سے طبقہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ عدالتیں، پریس اور مسلح افواج اسی کے اقتدار کی محافظ اور پاسبان ہوتی ہیں۔ پورا نظام تعلیم اس کی چاکری اور خدمت گذاری کے لئے لوگوں کے ذہنوں کو

ڈھالتا ہے۔ ان حالات میں اگر ملک کے غریب عوام اور مظلوم طبقے ظلم کے تسلط کے خلاف آواز بلند کر کے اپنے حالات میں کوئی خوشگوار تبدیلی لانا چاہیں تو وہ سارے راستے مسدود پاتے ہیں۔ اور اگر وہ داد رسی کے سارے آئینی راستوں کو بند پا کر غیر آئینی راستوں کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیئے جائیں تو یہ نام نہاد عوامی حکومت ملوکیت سے زیادہ سفاک بن جاتی ہے۔ پھر نہ مساجد کی حرمت قائم رہتی ہے اور نہ پارلیمنٹ کی۔ لوگوں کو گولیوں سے چھلنی کر دیا جاتا ہے۔ مساجد کے فرش عوام کے خون سے لالہ گوں ہو جاتے ہیں۔ اور مخالف اور غریب نمائندگانِ پارلیمنٹ کو فوج کی وساطت سے اسمبلیوں سے باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

جس نظام حکومت میں قوت و اقتدار کا اصل مدار ذرائع پیداوار کے قبضے پر ہو وہاں سماج کا مختلف گروہوں میں بٹ جانا ایک فطری امر ہے۔ اس سے وہ گروہ طاقتور ہوتا ہے کہ جو سرمایہ دار ہوتا ہے وہ بڑی آسانی سے غریب طبقہ کے حقوق کو پامال کرتا ہے۔ چنانچہ جمہوریت کے ایک بہت بڑے نقاد نے اس نظام کا ذکر کرتے ہوئے بالکل صحیح کہا ہے کہ

"یہ جمہوریت ایک بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے۔ امراء کے لئے تو یہ واقعی ایک جنت ہے لیکن کمزوروں، ناداروں اور غریبوں کے لئے یہ غلامی کا ایک بد ترین جال ہے۔"

اس نظام کو چلانے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو بالعموم سرمایہ داروں کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ مسند اقتدار پر آتے ہی اس لئے ہیں کہ اپنے حقوق کی ہر طرح سے حفاظت کر سکیں۔ اس لئے ان کے وجود سے ان کے اپنے گروہ کے آدمی تو داد عیش دیتے ہیں لیکن دوسرے طبقے خصوصاً بندہ مزدور اور ہاریوں کے اوقات نہایت تلخ ہو جاتے ہیں۔

غریب لوگ عموماً دیندار ہوتے ہیں اور امیر لوگ دین سے دور۔ علاوہ ازیں امیر لوگ دولت کی وجہ سے بہت سی اخلاقی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں، اس لئے جب وہ اختیار و اقتدار کی کرسی پر بیٹھتے ہیں تو عوام جو کہ دین دار ہوتے ہیں، ان سے اسلامی اقدار کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں، لیکن امیر لوگ اپنی نہاد ذہنی اور عیش و عشرت کی زندگی میں ملوث اور مگن ہونے کی وجہ سے ان کی خاطر کوئی ایسا ضابطہ اور قانون بنانے کی پروا نہیں کرتے جس سے خود ان امراء پر کوئی قدغن اور رکاوٹ وارد ہوتی ہو۔ اور ان کے عیش و عشرت میں کوئی فرق پڑتا ہو، کیونکہ اخلاقی اقدار کے لئے ان کے ہاں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ صرف چند ایک رسمی باتوں جیسے جمعہ کی چھٹی وغیرہ سے وہ لوگوں کو خوش کر دیتے ہیں۔

۳۔ جمہوریت چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی ایک فرع ہے، لہذا اس میں امراء کے عیش و عشرت کے لئے غرباء دن رات مختلف قسم کی صنعتوں میں ڈھور ڈنگروں کی طرح کام کریں گے۔ امراء کی قوت خرید زیادہ ہو گی اور غرباً کی کم نتیجہ یہ ہوگا کہ امراء دن بدن امیر تر اور غرباء روز بروز غریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔ اور امراء کو امیر تر بنانے کے لئے غرباء ذلت کے گڑھے میں گرتے چلے جائیں گے۔ اور معاشی زبوں حالی کا شکار ہو کر بے دین، ملحد اور اشتراکی ہو جائیں گے کیونکہ جمہوریت کا ردِ عمل اشتراکیت ہے۔

امراء کا منتہائے مقصود چونکہ دنیوی فوائد و لذائذ سمیٹنا ہوتا ہے اس وجہ سے ان کی نظروں سے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز اوجھل ہو جاتی ہے۔ انھیں اس بات کی فکر نہیں رہتی کہ ان کی آمدنی کے ذرائع کن کن طریقوں سے معاشرہ میں ظلم و ستم، بے حیائی اور بد معاشی کو ترقی دے رہے ہیں۔ دولت کے پجاری ہونے کی حیثیت سے ان کا نقطہ نظر صرف یہی رہ جاتا ہے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو زیادہ سے دولت سمیٹ لی جائے۔ اگر ان کی آمدن شراب اور ہیروئن کی فروخت، رقص و سرور کی محفلیں سجانے اور فحش و اخلاق سوز لٹریچر کی اشاعت سے بڑھتی ہے تو وہ فوراً ان کاموں میں اپنا روپیہ لگا دیتے ہیں اور وہ اس بات کو قطعاً محسوس نہیں کرتے کہ ان کی ان حرکات سے معاشرہ کو کیا نقصان پہنچا ہے۔ نوجوان نسل میں کتنی آوارگی پیدا ہوئی ہے۔ نشہ آور چیزوں سے کتنے گھر برباد ہوئے ہیں کتنی عصمتیں لٹیں ہیں۔ اور کتنی عفتیں برباد ہوئیں ہے۔ ان کے دل خوف خدا اور آخرت کی جواب دہی سے بالکل خالی ہو جاتے ہیں۔ اور معاشرہ کے مختلف طبقات کے مصائب و الم کو دیکھ کر ان کے اندر معمولی سا ارتعاش بھی پیدا نہیں ہوتا۔ جب سرمایہ ان کاموں میں لگے گا جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو نتیجہ میں فیکٹریاں اور بڑے بڑے کارخانے بند ہو جائیں گے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ اس طریقہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ روپیہ سمٹیا جا سکتا ہے، پھر فیکٹریوں کے جھنجھٹ میں کون پڑے۔ اس سے ملک میں بے روزگاری بڑھے گی اور معاشرہ میں بے شمار معاشی پیچیدگیاں اور ان گنت اخلاقی اور ذہنی بیماریاں پیدا ہوں گی۔

۴۔ جمہوریت سکنی (Static) اور اس کے مقابلہ میں اسلام حرکی (Dynamic) ہے۔ جمہوریت کے شہری خود غرض (Selfish) ہوتے ہیں اور ہر کوئی نچلی سطح سے اوپر کی سطح پر آنے کی جدوجہد میں مشغول ہوتا ہے یعنی مادی انداز میں نہ کہ اخلاقی اعتبار سے اس لئے جمہوری ملک کے لوگ ایثار نفس سے عاری ہوتے ہیں۔ اخوت اور ہمدردی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں رہتا، کیونکہ ہر کوئی دولت بڑھانے کی فکر میں رہتا ہے۔ صرف ریاکارانہ دوستی اور منافقانہ اخوت ہوتی ہے۔ اور وہ بھی صرف اپنی مطلب برآری کے لئے نہ کہ کسی اعلیٰ قسم کی قدروں کی صورت میں۔

۵۔ مسلمان جمہوریت کو اپنا کر دین سے بیگانہ ہو جائیں گے، کیونکہ اس وقت جو سیادت اور مادی سربلندی اہل مغرب کو حاصل ہے وہ مسلمانوں کو نہیں۔ مسلمان جمہوریت کو تو اپنا بیٹھیں گے لیکن ان صنعتی اور مادی وسائل کے مالک نہیں بن سکیں گے جو وسائل اہل مغرب کو حاصل ہیں۔ اس لئے وہ ذہنی طور پر ان کے مقابلہ میں اپنے کو پست اور ذلیل و کمتر محسوس کریں گے اور ان کو ہر حیثیت سے اپنے سے بالاتر اور اعلیٰ سمجھیں گے۔ اور "دین الملک ملک الادیان" والا طلسم ان کو دین اسلام سے دور کرتا چلا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ آج کل بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ بے دین معاشرہ کی صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ بد اخلاقی، بے حیائی، فحاشی، شراب خوری اور دوسری اخلاقی خرابیاں اسی جمہوریت کی وجہ سے ہی ہیں، کیونکہ ایک تو جمہوریت میں ہر کوئی آزاد ہے اور کسی پر کوئی دینی تقیید نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ